بعونہٖ تعالیٰ

خطبۂ استقبالیہ

جو

حضرت مولانا مولوی محمد صادق صاحب (کھڈہ کراچی) صدر مجلس استقبالیہ نے

جمعیۃ علماء ہند

کے سالانہ اجلاس دہم منعقدہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۹ ہجری مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۲۱ء

میں بمقام کراچی (سندھ) پڑھا

اور حکیم مولوی فتح محمد صاحب ناظم مجلس استقبالیہ اجلاس دہم جمعیۃ علماء ہند کراچی نے شائع کیا

(باہتمام شیخ عبدالعزیز محمد سلیمان منیجر عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی میں چھپا)

تعداد ۲ ہزار قیمت ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَن لَّا نَبِیَّ بَعدَہٗ

اما بعد

بزرگانِ ملت! و برادرانِ دین بیداول میں ان اکابر و علمائے امت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جو مسافت بعیدہ طے فرما کر جمعیۃ العلمائے ہند کے اس اجلاس میں تشریف فرما ہوئے ہیں نیز ان مخلصین حضرات کی خدمت میں مسلمانانِ سندھ کی طرف سے اظہار تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں جو جذبۂ للہیہ سے متاثر ہو کر شریک اجلاس ہوئے ہیں۔

ثانیاً میں ان تمام فروگزاشتوں کے لئے عفو و سامحت کا خواستگار ہوں۔ جو ادائے مراسم ضیافت میں ظہور پذیر ہوئی ہوں۔ یا بعد ازیں ہوتی رہیں۔ امید ہے کہ معذرت صادقانہ کو بفحوائے

"العذر عند کرام الناس مقبول"

قبول فرمایا جائیگا۔

بابُ الاسلام سندھ کی تاریخی و اسلامی اہمیت

ایہا الکرام! چونکہ اب کے سال جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اہم اجلاس سرزمین سندھ کے مرکزی مقام کراچی میں ہو رہا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند حروف اس سرزمین اور اس مقام کی تاریخی اسلامی اور تمدنی اہمیت کے متعلق عرض کروں۔

صوبہ سندھ کو اسلام کے قدوم میمنت لزوم کی سابقیت اور مسلمان آبادی کی اکثریت کی وجہ سے ہندوستان بھر کے صوبجات میں ایک ناقابل انکار تفوق و امتیاز حاصل ہے۔ سندھ کسی زمانہ میں تاریخی عظمت، سیاسی اہمیت، اسلامی تہذیب، علمی و فنی تعلیم، روحانی و ربانی تلقین کی وجہ سے ایک مرجع خلائق صوبہ تھا۔ علم و عرفان کے مرکز و منبع، علماء دین و عارفانِ حق کے مولد و منشاء ہونے کا بھی اس سرزمین کو افتخار حاصل ہے جس میں مولینا محمد حیات سندھی ثم مدنی، مولانا ابو الحسن سندھی شارح صحاح ستہ جیسے

استاد المحدثین بزرگ پیدا ہوئے۔ مگر آج بصد ہزار حسرت کہنا پڑتا ہے۔ کہ انقلاب زمانہ کی وجہ سے سندھ کے وہ سب فضائل اور خصوصیتیں تقویم پارینہ ہو چکیں۔ اور جو کچھ کہ تھا خواب یا افسانہ ہو گیا۔

اس شکستہ بال و خستہ حال صوبہ کا مرکزی مقام کراچی ہے۔ جس میں جمعیۃ علمائے ہند کا انعقاد ہو رہا ہے۔ سندھ کا یہ صدر مقام کراچی موجودہ وقت کے لحاظ سے کچھ اہم خصوصیات کا جامع ہے۔ یہ مقام قبل ازاں اگرچہ ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جو تمدن و حضارت کے ارتقائی منازل طے کر کے اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ کہ تجارت کی ایک زبردست منڈی اور عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ اس شہر کو اب یہ بھی فخر حاصل ہے۔ کہ اطراف و اکناف ہند و جوار ہند سے زائرین بیت اللہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً و عازمین دیگر بلاد مقدسہ کے لئے قریبی گذرگاہ بحری ہے۔ بنا بر ایں جمعیۃ العلماء ہند کا انعقاد اس مقام پر نہایت مناسب و موزون کہا جائیگا۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کا وصال بحق

برادران اسلام! اس دور قحط الرجال میں بعض رجال اللہ کا اسلامیان ہند کے لئے خصوصاً و اہالیان ہند کے لئے عموماً ایک عطیہ الٰہی و نعمت ربانی ہے۔ ملک و ملت کی یہ انتہائی بدقسمتی اور کم بختی ہے۔ کہ اس دور نازک میں انکے زعماء و رہنما رحلت و مفارقت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مجمع الحسنات مسلمانوں کے لئے مایۂ حیات اور وطن عزیز کے لئے باعث نازش تھی۔ آج ہم سے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۝

ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کے لئے مرحوم نے جو بے نظیر ایثار اور قربانیاں کیں۔ اور حکومت فرنگ کے ہاتھوں آپنے جو اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کیں۔ ان کی حقیقت اور واقعیت سے دنیا جہان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اس دور انقلاب اور زمانۂ کشمکش موت حیات میں ایسے جری اور شجاع مدبر و بہادر اور فرزند اسلام کی اشد

ضرورت تھی۔ مگر چونکہ کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ارشادِ باری اور انک میت و انہم میتون حکم احکم الحاکمین ہے لہذا اہالی ملک کو صبر اختیار کر کے بارگاہِ ایزدی میں مستقبل کے لئے خیر و برکت کا متمنی ہونا چاہیئے۔ دعا ہے کہ خداوند قادر و توانا مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دیگر قوم و ملک کیلئے ان کے لئے کوئی نعمت البدل پیدا کیجئے آمین۔

پنڈت موتی لال صاحب نہرو کی وفات حسرت آیات

جسوقت کہ قومیت متحدہ کے لئے ہندوستان کے ہندو مسلم اکابر کی سخت ضرورت تھی۔ عین اسوقت ایک طرف تو مولانائے مرحوم کی جدائی نے ہندوستان کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچایا۔ دوسری طرف متحدہ قومیت کے بہترین علمبردار پنڈت موتی لال صاحب نہرو چل بسے۔ اگرچہ تحریکات ملیہ و وطنیہ خاص شخصیتوں کی محتاج نہیں ہونی چاہئیں۔ مگر پھر بھی ایسی شخصیتوں کا فوت ہوجانا نقصان عظیم ہوتا ہے۔ پنڈت موتی لال صاحب ہندوستان کے ان مایہ ناز بزرگوں میں سے تھے۔ جن کے سارے خاندان نے ایثار و فداکاری کا جو نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ نہ فقط ہندوستان کی تاریخ میں زریں اور نمایاں حرف کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہے۔ بلکہ دنیا بھر میں ایک نادر مثال سمجھا جائیگا۔ میدانِ سیاست میں قدم رکھتے ہی پنڈت جی کی کوشش یہ رہی۔ کہ ہندوستان کی سب قومیں ایک ہو جائیں۔ اور قوموں کا تفرق اتصال سے بدل جائے۔ میں پنڈت صاحب کے خلف الرشید پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور ان کے تمام خاندان کے ساتھ خصوصاً اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے ساتھ عموماً غمخواری و ہمدردی کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں۔ کہ قادر مطلق پنڈت جی کے لائق فرزند پنڈت جواہر لال صاحب کو بیش از بیش اسبابت کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہ اپنے والد محترم کا حصہ بھی اپنی قوتِ عمل سے پورا کریں۔

سردار بھگت سنگھ کی افسوسناک موت

ہندوستان میں اگرچہ آج کل عدم تشدد کی لڑائی کا پروگرام زیر عمل ہے

اس کے ہوتے ہوئے تشدد پسند مجاہدین کے اعمال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا ۔ تاہم کسی طالب آزادی اور مجاہد قوم کو ایسے افراد کی قربانی کی قدر کرنے میں کبھی بھی دریغ نہیں ہوسکتا ۔ جو عزیز وطن کے لئے اپنی عزیز جان ہتھیلی پر رکھکر سولی پر لٹکنے کو زندگی جاوید سمجھتے ہوں ۔ بھگت سنگھ نے جس دلیری اور پامردی سے سولی کی رسی کو چومکر آزادی وطن کی خاطر جان عزیز بجان آفرین سپرد کی ۔ یقیناً آزادی وطن کے لئے انکی یہ قربانی رنگ لائیگی ۔ میں بھگت سنگھ کی مظلومیت اور ہمت مردانہ سے متاثر ہوکر انکے والد اور عزیزوں کے ساتھ تعزیت بجالاتے ہوئے انکو مبارکباد بھی دیتا ہوں ۔ کہ ان کے فرزند ارجمند نے اپنی قربانی سے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نہ مٹنے والی عزت اور عظمت حاصل کرلی اور ایک نئے باب کا اضافہ کیا ۔ میں دعا کرتا ہوں ۔ کہ خداوند عالم ان پروانہائے قوم کی قربانیوں کا اثر جلد ظاہر فرمائے ۔ اور ہندوستان کو جلد آزاد کرے ۔ آمین ؎

ضرورت تھی۔ مگر چونکہ کل من علیھا فان ہ ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ہ ارشاد باری اور انک میت وانھم میتون۔ حکم احکم الحاکمین ہے۔ لہٰذا اہالی ملک و ملت کو صبر اختیار کرکے بارگاہِ ایزدی میں مستقبل کے لئے خیر و برکت کا مستدعی ہونا چاہیئے۔ دعا ہے کہ خداوند قادر و توانا مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دیگر قوم و ملک کے لئے ان کا کوئی نعم البدل پیدا کرے۔ آمین

شہدا پشاور و اسیرانِ فرنگ

ایہا الاخوان! اب اس میں کسی کو کلام نہیں مگر وقت اظہار ایثار و فداکاری اور زمان قربانی و جان نثاری ہے۔ جبکہ دنیا بھر کی مخلوق خدانے پنجۂ استبداد و تظلم سے تنگ آکر جان چھڑانے اور استبداد سے نجات حاصل کرنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ اور ہر ملک میں یہی تحریک پھیل رہی ہے۔ کہ کسی قوم کو کسی دوسری قوم و ملک کو کسی بہانہ سے بھی قبضہ و استبداد و تسلط جمانے کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ کوئی فرد مخلوق۔ سوا خالق پاک کے کسی اپنے ہم جنس کی غلامی بخوشی اختیار نہیں کرسکتا۔ لہٰذا برِاعظم ہندوستان کے مظلوم باشندے بمصداق "تنگ آید بجنگ آید" غلامی سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ چنانچہ تازہ تحریک عدم تشدد کے علمبردار گاندھی جی کے اقدام نے ملک میں بجلی کی سی ایک رَو دوڑادی۔ اور ہندوستان بھر کے باشندے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چونکہ مسلمان مذہباً و شرعاً۔ قدرتاً و فطرتاً شمع قربانی کے پروانے اور گلشنِ آزادی کے عندلیب واقع ہوئے ہیں۔ اور سابقہ تدبر و مآل اندیشی کے بھی اہل ثابت ہوچکے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے کچھ دیر اس تحریک عدم تشدد میں حصہ لیا۔ جو تاریخ حوادث حالیہ میں اس کا ذکر خیر نہایت ہی آب و تاب اور شان و شوکت سے کیا جائیگا۔ پانچ سو شہداء پشاور اور بارہ ہزار سے زائد مسلمان فداکاروں کی اسیری و تحمل مصائب مسلمانانِ ہند کے لئے آزادی کی نعمت سے متمتع ہونے کا ایک اہم و بہترین دستاویز ہے۔

مذکورہ بالا قربانیوں اور فداکاریوں کو دیکھکر اب کوئی بھی اپنا و پرایا اور
یگانہ و بیگانہ ہم مسلمانوں کو کسل وکاہلی ۔ قعود و جمود کا طعنہ نہیں دے سکتا ہے ۔ ہاں
یہ امر دیگر ہے ۔ کہ جہاد سے جی چرانے والے اصحاب ہمارے فداکاروں کے فدیہ اور قربانی
کرنیوالوں کی قربانی کی قدر نہ کریں اور زبان طعن و انکار دراز کریں ۔ مگر دانائے کل
عالم السرائر والمخفیات اور اسکے عرش معلیٰ کے حامل ۔ عالم قدس کے فرشتے اور
اشرف المخلوقات کے کراماً کاتبین مسلمانانِ ہند کی سرفروشی کے شاہد و شہید ہیں ۔
پس مسلمانانِ سندھ بلکہ مسلمانانِ عالم کیطرف سے ان شہیدان ملک وملت کے مزارات
پر فاتحہ کے پھول اور فل کے گل چڑہاتا ہوں ۔ اور جملہ اسیران کی مظلومی پر انکو مبارکباد
پیش کرتا ہوں ۔ بارگاہِ رب العزت میں دعا ہے ۔ کہ خداوند اکبر انکی قربانیوں اور فداکاریوں
کے طفیل غلام ہندوستان کے جملہ بسنے والوں کو نعمت آزادی و برکات حریت سے
سرفراز فرماوے ۔ آمین ۔

اسلام ۔ سیاست اور جمعیۃ العلماء ہند

معاشر المسلمین! وجماعۃ الحاضرین!! عام طور پر کہا جاتا ہے ۔ کہ مذاہب عالم کو
سیاسیات سے کچھ بھی واسطہ اور تعلق نہیں ۔ میں یہ فقرہ اپنے مذہب اسلام کے
حق میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ اسلام کی وضع و قطع ہی اس نظریہ کی
تردید کرنے کے لئے کافی ہے ۔ اگر کوئی کور چشم آفتاب کی تابانی اور ماہتاب کی
نورانیت سے انکار کرے تو فی الواقع آفتاب بے تاب اور ماہتاب بے نور نہیں
کہا جاسکتا ۔ میں دلائل و براہین کی بناء پر کہتا ہوں ۔ کہ اسلام روحانیت و
عبادات ۔ دینیات ۔ دنیویات ۔ ریاسیات و سیاسیات کا مجموعہ ہے ۔

اسلام کے احکام قرآنیہ اسلام کے مقدس پیغمبرؐ کا اسوہ حسنہ اور خلفاء
راشدین و دیگر حضرات اولو الامر کی زندگیاں بصارت و بصیرت والوں کے سامنے
آکر میرے دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں ۔ دیکھیے اور غور کیجیے ۔ کہ حضور انورؐ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے اجزا یہ تھے ۔ عبادت و ریاضت ۔ فقر و مسکنت ۔ تلقین للہیت و تلقین روحانیت ۔ تعلیم عدم تشدد ۔ و تعلیم جہاد ۔ تعلیم فصل خصومات و تعلیم اخلاق ۔ تعلیم تمدن و تہذیب ۔ تعلیم معاش و معاشرت ۔ تعلیم آزادی و حریت ۔ تعلیم حقوق اللہ و حقوق العباد ۔ تعلیم حفاظت وطن و حفاظت خلق ۔ تعلیم عساکر و جیوش ۔ تعلیم نظام ۔ خلافت و حکومت ۔

ان ہی اجزاء اسوہ حسنہ بنوی پر خلفاء راشدین اور خیر القرون کا عمل پھر شریعت اسلامیہ کی ان سب امور کے متعلق قانون بندی اس بات کے لئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ ہیں ۔ کہ اسلام کے ہیولے کی ترکیب اکثر و بیشتر سیاسیات کے اکسیر سے ہے ۔ بالفاظ دیگر اسلام کے نسخہ کا جزو اعظم سیاست ہی ہے شریعت اسلامیہ میں قوانین فوجداری ۔ دیوانی ۔ قوانین بلدیات و دیگر ضروریات دلنویہ سب کچھ موجود ہیں ۔ ہاں یہ بات علیحدہ ہے ۔ کہ آجکل مسلمانوں کی بعض ممتاز ہستیاں موجودہ جگمگاہٹ اور موجودہ سیاسیات سے مسحور و منتور ہو کر اسلام کی سیاست سے بے خبر ہو ۔ جو مسلمان اسلامیات کا کما حقہٗ عارف ہو گا ۔ ناممکن ہے ۔ کہ سیاست سے اپنے تئیں الگ رکھ سکے ۔

جمعیتہ علمائے ہند چونکہ اسلامی تعلیم کے ماہران خصوصی کا مجموعہ ہے ۔ اس لئے اس دور سیاست میں سیاست کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کے وقت مسلمانوں کے لئے بہترین مشیر و صلاحکار اور اسلامی نقطہ نظر کے لحاظ سے بہترین رہنما و رہبر ہو سکتا ہے ۔

العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق وہی ہو سکتے ہیں ۔ جو مسلمانوں کے دینی و دنیاوی مہمات میں اسلامی مفاد کے مطابق اور ارشادات باری و تصریحات بنوی کے موافق ان کو بلا خوف لومۃ لائم حل مشکل کر سکیں ۔

سندھ میں جمعیتہ العلماء ہند کو دعوت دینے کی ضرورت اور علت

برادران محترمین ! میں مسلمانان سندھ کے متعلق شرمندگی کے ساتھ اقرار

کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے اس جنگ آزادی میں معتد بہ حصہ نہیں لیا۔ جب مسلمانانِ سندھ کی یہ حالت دیکھی گئی۔ تو کراچی میں بعض حریت کیش و آزادی کوش اصحاب نے ایک جمعیت نظام المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ جو جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت رہکر تحریک حاضرہ میں شامل ہونے کے لئے مسلمانانِ سندھ میں روح پھونکنے کا کام کرنے لگی۔ باوجودیکہ روزِ اولین سے آجتک جمعیۃ نظام المسلمین کو ناکامیاب بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ مگر بفضلہٖ تعالےٰ وہ اپنے بساط کے مطابق کام کرتی رہی۔ اور اپنے چند مجاہدین کو قربان کرکے مسلمانانِ سندھ کیطرف سے کفایہ کے طور پر فرض ادا کیا۔

چونکہ مسلمانانِ سندھ میں جذبۂ حریت پیدا کرنے اور اس بجھی ہوئی آگ کو سلگانے اور سیاسیات حاضرہ سے آگاہ کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ اس لئے کارکنانِ نظام المسلمین نے ہمارے ساتھ ملکر جمعیۃ علماء ہند کو دعوت دینے کی جرأت کی۔ اور اکابرِ ملت کو سندھ میں تشریف لے آنے کی زحمت دی

یہ شکر کا مقام ہے۔ کہ آج اس پنڈال میں علماء ہند و سندھ خصوصاً اور مسلمانانِ سندھ و ہند عموماً سیاسیات حاضرہ کے متعلق مبادلۂ خیالات کرنے کو جمع ہیں۔ امید ہے کہ اس کا اثر مسلمانانِ سندھ کی ذہنیت پر اچھا پڑیگا۔

جمعیۃ علمائے ہند کا عملی پروگرام اور شرکت کانگریس

محبانِ ملک و ملت! اگر لوگ جمعیۃ العلماء ہند کے ان کاموں پر نظرِ غائر ڈالیں۔ جو اس نے اپنے یوم تاسیس سے لیکر اب تک انجام دئے ہیں۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ اسلامیانِ ہند کے لئے اسکے وجودِ مقدس کی کس قدر ضرورت ہے میں یہاں پر صرف ایک دو مثالیں پیش کرکے ثابت کروں گا۔ کہ سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء ہند کا کام من حیث الجماعت دیگر اسلامی انجمنوں اور جماعتوں کے مقابلہ میں کیا بمنزلہ در برمحل رہا ہے۔ نہرو رپورٹ جسکی وجہ سے مسلمانوں

میں ایک انتشار اور اختلال پیدا ہوگیا تھا۔ اور جس میں مسلمانوں کے بعض حقوق کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ جمعیۃ علمار ہند نے اسپر ایک مفصل تبصرہ لکھا۔ جس میں نہایت جامعیت سے رپورٹ مذکور کی خامیاں دکھلائی گئیں۔ اور مسلمانوں کے مسائل مخصوصہ کی حمایت زور کے ساتھ کی گئی۔

نیز شاردا ایکٹ جیسے مردود ایکٹ کو منسوخ کرانے میں بھی جمعیت کی مساعی جمیلہ کسی سے مخفی نہیں۔

اسکے بعد ہندوستان نے ایک زبردست پلٹا کھایا۔ اور سول نافرمانی کی تحریک جاری ہوگئی۔ اسوقت ہندوستان کے مسلمان سخت کشمکش میں مبتلا اور پریشان تھے۔ جمعیۃ نے آزادی کی اس تحریک اور اسکے متعلق جملہ تحریکات کا خیر مقدم کیا۔ اور مسلمانانِ ہند کے مشترکہ مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کانگریس کی شرکت کی دعوت دی۔ برادرانِ من! کیا یہ اسی جماعت کے کارنامے کہے جاسکتے ہیں۔ جو سیاسات سے نابلد سمجھی جاتی ہے؟

یاد رکھو۔ اگر جمعیۃ العلمار ہند ایسا نہ کرتی۔ تو مسلمانونکی عزت ہرگز وہ نہ ہوتی۔ جو آج ہے۔ اور فداکاروں کی فہرست سے ان کا نام ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا جاتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ کہ جمعیۃ علمائے ہند کے مقدس ارکان نے اپنی دور اندیشی اور سیاست دانی کا ثبوت دیکر حرب حریت میں حصہ لیا۔ اور مسلمانانِ ہند کو حکم فرمایا۔ جسکی وجہ سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ممالک اسلامیہ میں بھی مسلمانانِ ہندوستان کی لاج رہی۔ شرکت کانگریس محض مقاصد مشترکہ کی وجہ سے کی گئی۔ اور کرنی چاہئے تھی۔ مشترکہ مقاصد میں شرکت کے مسئلہ پر قرآن مقدس نے متعدد مقامات میں دنیا کو دعوت دی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا و بینکم۔	اے اہل کتاب آؤ ہم اور تم ایک ایسی بات پر متفق ہوجائیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر برابر ہے۔

خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ جن حضرات نے فتح مکہ کے اسباب وعلل پر نظر ڈالی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس جنگ کی حقیقی علت غیر مسلموں کی ایک جماعت کو قریش کے حملوں سے بچانا تھا۔ سنہ ۶ ہجری میں قریش سے معاہدہ ہوا کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ بنوخزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرفدار تھے۔ اور بنوبکر قریش کے حامی اور پشت وپناہ۔ معاہدہ کے دو سال بعد بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور قریش نے اس معاملہ میں بنوبکر کی مدد کی۔ اسلئے قریش اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جو معاہدہ ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ اور مسلمانوں کی جانب سے سنہ ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ پر بنوخزاعہ کی امداد کے لئے فوج کشی کر دی گئی۔ جسوقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بنوخزاعہ کا بدلہ لینے کے لئے مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی۔ تو مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ اسوقت بنوخزاعہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ (دیکھو سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۱۱) اس واقعہ سے معلوم ہوا۔ کہ خود داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلموں کو ظالموں کی گرفت سے چھڑانے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی۔ اور مظلوموں کی حمایت میں آپ میدان میں نکل آئے۔ اگر کانگریس کی شرکت سے صرف برادران وطن کا ہی فائدہ ہوتا تب بھی اس اسوۂ حسنہ پیغمبری کے اعتبار سے ہمیں انکی ہر امکانی مدد کے لئے تیار رہنا چاہیئے تھا۔ مگر صورت حال یہ ہے۔ کہ کانگریس کی شمولیت اور جنگ آزادی کی شرکت نہ صرف اسلامیان ہند کے لئے سودمند اور ممالک اسلامیہ کے لئے بھی بغایت مفید اور نافع ہے۔ بلکہ مستقلاً خود مسلمانوں کے فریضہ کی ادائی کا بھی موجب ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا۔ کہ جمعیۃ علماء ہند اسلامی تعلیم کی دی ہوئی بصیرت سے کام لیکر سیاسیات میں قدم اٹھاتی رہی ہے۔ جمعیۃ اس بناء پر کانگریس سے لڑ بھی چکی ہے۔ اور شرکت بھی کر چکی ہے۔ اور یہی عین مقتضائے سیاست دانی ہے۔ آج مصر۔ فلسطین اور شرقی اردن کے مسلمان برطانیہ سے برسر پیکار

ہیں۔ اور وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر حریت اور استقلال کی نعمت سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ فلسطین کے مسلمان اپنے وطنی عیسائیوں سے، طاقتور یہود کے مقابلہ میں ایک ہو گئے ہیں۔ اگر ہم نے بھی برطانیہ کے مقابلہ میں ہنود سے اتحاد عمل کر لیا۔ تو کونسی قیامت آگئی؟

ہمارا عمل تو قرآن کریم کی اس آیت پر ہے

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم ۝ وان يريدوا ان يخدعوك فان حسبك الله هو الذي ايدك بنصره وبالمؤمنين ۝

اگر غیر مسلم قومیں صلح و آشتی کیطرف مائل ہوں تو تم بھی انکی کیطرف مائل ہو جاؤ۔ اور خدا پر اعتماد رکھو۔ اگر وہ اس صلح سے تم کو دھوکہ دینا چاہیں۔ تو اس کا خیال بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمکو کافی ہے۔ اسی نے اپنی طرف سے مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی ہے۔

اسوقت برادران وطن کا ہاتھ صلح و آشتی اور اتفاق کے لئے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے ہم کو بھی ان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ اس اتحاد سے ایک دشمن اسلام حکومت کا زور ٹوٹتا اور اس کا سر غرور نیچا ہوتا ہو۔ اس قسم کی آشتی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے۔

اس آیہ کریمہ سے ان حیلہ جو اور غلامانہ ذہنیت کے لوگوں کا یہ اعتراض بھی باطل ہو گیا۔ جو وہ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں برادران وطن کی غدر و بے وفائی کے متعلق کہا کرتے ہیں۔ اگر ہندو صلح کے بعد دھوکہ دیگا۔ تو خدا ہمارا مددگار ہے۔ مگر ہم کو اس قسم کے شیطانی وسواسے سے قرآن حکیم نے روکا ہے۔

غرض ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ اور ایک زبردست اور یقینی انقلاب کے آنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس حالت میں مسلمانوں کا خاموش رہنا ان کے مستقبل کے لئے سخت خطرناک ہوگا۔

مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات

بھائیو! یاد رکھو۔ کانگریس میں جمعیۃ علماء کی شرکت مشترکہ مفاد کے لئے ہے۔

لیکن اگر کانگریس مسلم حقوق کو نظر انداز کریگی۔ تو یہی جمعیۃ ہوگی۔ جو سب سے پہلے کانگریس کے مقابلہ کے لئے نکلے گی۔ جیسا کہ نہرو رپورٹ کے وقت اس نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنے یوم تاسیس سے برابر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر رہی ہے۔ اور وہ کسی وقت بھی اپنے اس فرض منصبی سے غافل نہیں رہ سکتی۔ البتہ جمعیۃ علماء ان امور میں مداخلت سے ابا کرتی ہے۔ جو محض ذہنی اور اعتباری چیزیں ہیں۔ جمعیۃ علماء کہتی ہے۔ کہ پہلے میدان کو فتح کر لو۔ پھر مال غنیمت کی تقسیم پر جھگڑ لینا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ان لوگوں کا ساتھ نہیں دیا۔ جو قبل از وقت حقوق کے لئے شورش پیدا کرکے مسلمانوں کے قوی عمل کو مفلوج بنا کر انکو بھیک مانگنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ ان حضرات نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ سیاست اور حقوق بھیک کے ٹکڑے ہیں۔ جو کسی کے سوال کرنے پر یونہی تقسیم کر دئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو تحریک خلافت کے زمانہ سے اسکا خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ اور اب اس بارے میں کسی پردے کے ہٹنے کا انتظار باقی نہیں رہا ہے۔ میں تو صاف کہتا ہوں کہ اگر برادران وطن حقوق کا فیصلہ قبل از وقت کر بھی دیں تا ہم یہ حضرات پھر کوئی دوسرا بہانہ تلاش کرینگے۔ انکی یہ شتر مرغ والی چال ختم ہی نہ ہوگی۔

برادران محترم! ہندوستان کے مسلمان جب تک بھیک مانگنا نہ چھوڑینگے۔ اور اپنے نفس پر کامل اعتماد کرکے اپنے قوت بازو سے اپنے حقوق حاصل نہ کرینگے۔ اسوقت تک انکی بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لیجا سکتی۔ جو چیز مسلمانوں کو دی جا سکتی ہے۔ وہ واپس بھی لی جا سکتی ہے۔ لیکن جو چیز اپنی قربانیوں کے بعد حاصل کیجائے۔ تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسکو نہیں چھین سکتی۔!

کانگریس سے ہمارا اشتراک عمل حقوق مشترکہ عامہ میں ہے جن کا تعلق ہندوستان کی تمام قوموں سے مساوی ہے۔ لیکن حقوق ذاتیہ مخصوصہ میں جمعیۃ علماء اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کرتی ہے۔ اور سمجھتی ہے کہ ہماری قربانیاں خود ہمارے حقوق کی ضامن ہیں۔ اور کوئی قوم انکو دبانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

جُداگانہ یا مخلوط انتخاب

جو حضرات مسلمانوں کے "الحقوق والفرائض" جتلا کر مقاصد عمومی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ گو ان کی نیت صحیح ہو۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی چیزوں کو چھوٹی چیزوں پر قربان کر رہے ہیں۔ مثلاً جداگانہ انتخاب پر زور دینا ان لوگوں کے بلند پایہ مقاصد میں شامل ہے۔ حالانکہ اگر دقت نظر سے اسکی جوہریت کو پرکھا جائے۔ تو اسکی حقیقت بالکل منقلب ہو جاتی ہے۔ جداگانہ انتخاب سے جہاں مسلمانوں کو قدرے فائدہ ہے۔ وہاں اس کے مضار بہت زیادہ ہیں۔ جداگانہ انتخاب فرقہائے ہند میں نفاق و شقاق کا موجب ہے۔ میری رائے میں مخلوط انتخاب نشستوں کی تعین کے ساتھ نہ صرف نفاق دور کرنے کا سبب بنے گا۔ بلکہ اکثریتوں کو اقلیتوں کے سامنے جھکانے کا ایک بڑا ذریعہ ہوگا۔ ہمیں جداگانہ انتخاب کے بعض معمولی منافع سے بھی انکار نہیں ہے۔ مگر اس کے مضار سے بھی جو فوائد سے کئی گنے زائد ہیں۔ انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لندن اور ہندوستان کی گول میز کانفرنسیں

مناسب ہے کہ یہاں چند الفاظ میں لندن کی گول میز کانفرنس پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ نیز آئندہ گول میز کانفرنس کے متعلق چند امور کی توضیح کر دی جائے اس میں تو شک ہی نہیں۔ کہ گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں ہندوستان کا کوئی نمائندہ شریک نہیں ہوا۔ بلکہ حکومت نے خود اپنی طرف سے اپنے ڈھب کے لوگوں کو منتخب کر لیا الا ماشاءاللہ کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند نے منفقہ طور پر اس کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ یہ کانفرنس ہندوستانی معاملات کے تصفیہ کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ لیکن حکومت نے ہندوستان کی مرضی کے خلاف اسکا انعقاد ضروری سمجھا۔ اور کانفرنس منعقد کر کے ہندوستانی مسائل پر گفت و شنید کی جس کا نتیجہ جو کچھ نکلا۔ وہ سب پر روشن ہے۔ اور جو کچھ ملا وہ بھی ظاہر ہے۔ لیکن یہ آنا بھی کس لئے ہوا۔ کیا برطانیہ از خود ہندوستانی مسائل پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہوئی؟ اس کا جواب صاف یہ ہے۔ کہ اگر ہندوستان کی تحریک آزادی نے برطانیہ کی شہ رگ پر

کاری ضرب نہ لگائی ہوتی۔ اور سول نافرمانی اور بدیشی مال کے بائیکاٹ نے مانچسٹر اور لورپول میں زلزلہ نہ ڈالدیا ہوتا۔ تو شائد برطانیہ ایک صدی تک بھی اس طرف متوجہ نہ ہوتی۔ اور نہ اتنا نرم اور رواداری رویہ اختیار کرتی۔ جو اسکی تاریخ میں ہندوستان کے لیے سب سے پہلا واقعہ ہے۔ آج گول میز کانفرنس کے سندوبین جس فخریہ لہجے میں اپنی کامیابی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ یہ سب کچھ تحریک سول نافرمانی کا صدقہ تھا۔ جسنے برطانیہ کے تجارتی غرور کا سر نیچا کر دیا۔ اب ہندوستان کا قومی شعور اتنا بیدار ہو چکا ہے۔ کہ وہ اس قسم کی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ اس کا تو ایک ہی نصب العین ہے۔ آزادی! یا موت!!

لندن کی کانفرنس کے بعد اب ہندوستان میں بھی ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے۔ جسکی شرکت کی تائید غالباً کانگریس کرے۔ مسلمانوں کو ہمارا مشورہ ہے۔ کہ اس کانفرنس میں اگر موقعہ مناسب دیکھیں۔ تو شریک ہوں۔ جہاں تک اصولی باتوں کا تعلق ہے۔ مسلمانوں کو کانفرنس میں اقوام ہند کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے اور فرقی حقوق کے لیے نہایت استقلال کے ساتھ لڑنا چاہیئے۔ مگر اس طریق پر کہ اصول کی بربادی تک نوبت نہ پہنچے۔

آئندہ گول میز کانفرنس کی شرکت کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اس میں وہی حضرات مسلمانوں کے نمائندے بنکر جائیں۔ جنہوں نے اب تک جنگ آزادی میں گوناگوں مصائب اور حکومت کے ظلم اور استبداد کو نہایت شجاعت اور استقلال سے برداشت کیا ہے۔ کانفرنس میں ایسے لوگوں کا جانا جنہوں نے تحریک آزادی سے کنارہ کش رہکر اپنی عافیت پسندی اور حکومت پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سخت مہلک ہوگا۔ اور نہ ایسے حضرات سے مسلمانوں کو کوئی امید ہو سکتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ ہندو مکمل آزادی چاہتے ہی نہیں۔ بلکہ وہ دائمی آزادی

اور ساتھ ساتھ برطانیہ کے سایۂ عاطفت کے حامی ہیں۔ اس لئے مسلمان ان کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ ایک شتر مرغ کی چال ہے۔ یہ بہانہ اکثر ان مسلمان بھائیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ جو سوائے سایۂ عاطفت برطانیہ خود ان کے لئے بھی کچھ اور مطلوب و محبوب نہیں۔ اچھا بھائی جس حد تک ہمارے ہندو بھائی اصول آزادی کے لئے کام کریں۔ اسی حد تک تو ساتھ ساتھ رہیں۔ باقی جو کسر بچے۔ اسکے واسطے آپ علم جہاد اٹھانا اور مکمل آزادی حاصل کرنا۔ چونکہ آپکا مقصد مکمل آزادی ہے۔ تو کیا بشرکت برادران ہنود نیم آزادی حاصل کرنے سے مکمل آزادی کی جدوجہد میں تخفیف نہ ہوگی؟ اور اسطرح تمہارے مقصد کا ایک حصہ حاصل ہوگا کیا اگر ہندو مکمل آزادی دل سے نہیں چاہتے ہونگے۔ تو آپ جو مکمل آزادی کا دعوے کرتے رہتے ہو۔ فقط آزادی آزادی پکارنے اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں پر اعتراضات کرنے۔ پھبتیاں اڑانے اور انکی نیتوں میں شک اور شبہے پیدا کرنے کے لئے ہی ہو؟ باقی عمل کا کچھ بھی احساس نہیں۔ جب عمل کا احساس تک نہیں۔ تو پھر کامل آزادی کا دعویٰ چہ معنے دارد؟

قال اللہ تعالیٰ لم تقولون ما لا	کیوں وہ بات کہتے ہو۔ جو کرتے نہیں۔
تفعلون کبر مقتاً عند اللہ ان	خدا کو ناراض کرنے کے واسطے بہت بڑی
تقولوا ما لا تفعلون۔	بات ہے۔ کہ کہو اور کرو نہیں۔

اقلیت اور اکثریت

ہندوستان میں جہاں اور مسائل زیر بحث ہیں۔ وہاں اقلیتوں اور اکثریتوں (ڈینارٹی و میجارٹی) کا مسئلہ بھی ہے جس کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس ہے کہ بعض تنگ نظر لوگوں نے اس مسئلہ کو نہایت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمان اکثریت میں ہوتے۔ اور دیگر اقوام اقلیت میں۔ تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ مسلمان اقلیتوں کے مقابلہ میں نہایت فراخ حوصلگی اور سیر چشمی کا ثبوت دیتے اور کسی اقلیت کو شکایت کا موقعہ نہ ملتا۔

مصر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اور قبطی۔ عیسائی اور یہودی اقلیت میں ہیں۔ لیکن انکو کبھی مسلمانوں سے شکایت نہیں ہوئی۔ انہوں نے جس بات کا مطالبہ کیا مسلمانوں نے اسکو تسلیم کیا۔ کیونکہ اقلیت خواہ کتنے ہی حقوق لے لے۔ لیکن وہ اکثریت میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے ہندوستانی مسلمانوں سے کہتا ہوں۔ کہ وہ اکثریتوں سے ہراساں اور پریشان نہ ہوں۔ اقلیت کو اکثریت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی ذہنیت قوم میں بزدلی اور خوف پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو اکثریت کا خیال قطعاً اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیئے۔ کیونکہ ان کا مذہب اس ذہنیت کا سخت مخالف ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ	اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آتی ہے۔

تم خواہ کتنے ہی قلیل ہو۔ لیکن جب تک ایمان سے متصف ہو۔ تمہارا غلبہ یقینی ہے۔

انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین	اگر تم مومن ہو۔ تو یاد رکھو تمہاری سربلندی یقینی ہے۔

مسلمانوں کی تمام تر زندگی اسی قسم کے مظاہرے پیش کرتی ہے۔ اور انہوں نے ہمیشہ قلیل ہو کر کثرت پر فتح پائی ہے۔

البتہ مسلمان اگر اپنے خصوصی امتیازات کو مٹا دیں۔ اور اپنے اندر ضعف وہن پیدا کر کے موت سے خائف ہونے لگیں۔ تو پھر انکی کثرت بھی انکو ہلاکت اور تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکن انتم غثاء کغثاء السیل ولینزعن	عنقریب قومیں تمکو تقسیم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اسطرح بلائینگی جس طرح کھانے کے طباق پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا اسوقت ہم قلیل ہونگے؟

اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن۔ قال یارسول اللہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ ابوداؤد بیہقی

آپنے فرمایا نہیں۔ اسوقت تم بہت زیادہ ہوگے۔ مگر تمہاری حیثیت کوڑے کرکٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ .... خدا تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال ڈالیگا۔ اور تمہارے دلوں میں وھن (ضعف) کو ڈالدیگا۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ وھن کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا کہ دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

برادران عزیز آج ہم میں وھن اور کراہیۃ الموت کی بیماری پیدا ہوچکی ہے۔ ہماری مھابت اور رعب مخالفوں کے دلوں سے نکل گیا ہے۔ ہم تو کوڑے کرکٹ ہیں۔ کہ جسکو پانی جہاں چاہے۔ بہائے لئے جاتا ہے۔ ہم میں خودداری اور خوداعتمادی نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم اکثریت سے گھبراتے ہیں۔ اور اپنے نفس پر اور اپنے جہاد پر اور اپنی قربانیوں پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ ہندوستان کے حدود اربعہ میں ہندوستان کی ریاستیں اور سلطنتیں اسلامی اقلیت کی حفاظت کے لئے کافی ضمانت ہیں۔ اگرچہ ہمیں خود اپنے نفس پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ مگر گردوپیش کی اسلامی حکومتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیاجاسکتا لہذا مسلمانوں کو نہ انگریز سے خوفزدہ ہونیکی ضرورت ہے۔ اور نہ ہندوستان کی اکثریتوں سے۔ کیونکہ یہ خوف خود ہماری تباہی کا موجب ہوگا۔ جو ہمارے اندر غلامی کے عناصر بہت زیادہ پیدا کردیگا۔

صوبہ سندھ کی علیحدگی

محترمین! اب ایک اور اہم مسئلہ بھی ہمارے سامنے پیش ہے جس کو

صوبہ سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر یہ مسئلہ
سندھ کے ہندو مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ صوبہ سندھ
کی علیحدگی پر ہمارے ہندو بھائی زیادہ مصر تھے۔ اور انکی متفقہ خواہش تھی۔
کہ اس صوبہ کو مستقل حیثیت دی جائے۔ اور بمبئی سے اس کا کوئی تعلق نہ رکھا
جائے۔ آج مسلمان سندھ کی علیحدگی پر جو دلائل و شواہد پیش کر رہے ہیں۔
وہی دلائل کبھی زمانہ میں ہندوؤں کی جانب سے پیش کئے جاتے تھے۔ لیکن
جب سندھ کے مسلمانوں نے اس مسئلہ کو اپنا نصب العین قرار دے لیا۔
تو برادران ہنود نے مسلم اکثریت سے بے معنی خوف کھا کر اسکی مخالفت شروع
کر دی۔ اور اسکو ہندو مسلم سوال بنا کر باہمی پیچیدگیوں میں ایک اور
پیچیدگی کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ سندھ کے جغرافیائی۔ لسانی۔ تہذیبی۔
اور تمدنی حالات اس امر کے متقاضی ہیں۔ کہ اسکو بمبئی سے کوئی تعلق نہ رکھنا
چاہئے۔ قدرت کے ہاتھوں نے اسکو خود علیحدہ بنایا ہے۔ اور یہاں کی اکثریت
بھی اسی کی حامی ہے۔ مگر بعض کوتہ نظر اور تاریک خیال ہندوؤں کیطرف
سے پھر بھی اسکی مخالفت کی جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کی سعی میں روڑے
اٹکائے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہاں کی مسلم اکثریت سے ہندو اپنے
کو محفوظ نہیں پاتے۔ اور کبھی مالی اور انتظامی عذرات پیش کئے جاتے ہیں
حالانکہ ان عذرات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ ہندو اقلیت کا
تحفظ اس سے زیادہ اسوقت ہو گا۔ جب کہ یہ صوبہ اپنی مستقل حیثیت اختیار
کرے گا۔ صوبہ سندھ کے برادران وطن باوجود اقلیت کے تعلیم میں مسلم اکثریت
پر فائق ہیں۔ ان کے کالج اور بے شمار درسگاہیں ہیں۔ ان کا پریس مضبوط
ہے۔ ان کے انگریزی۔ ہندی اور سندھی اخبارات تمام صوبہ سندھ کے بڑے
مقامات سے نکالے جاتے ہیں۔ اور ان کے اندر تمدنی سیاسی اور تعلیمی
ذہنیت ترقی پذیر ہے۔ اس لئے ان کو مسلم اکثریت سے کوئی بھی خوف یا

اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہونا چاہئے۔

واقعات سے سندھ کے مسلمان یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں۔ کہ سندھ اپنا بار خود برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس کو ہرگز کسی دوسرے صوبہ کا دست نگر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بالخصوص سکھر بیراج کی تکمیل کے بعد تو سندھ اس قابل ہو جائیگا۔ کہ کسی چھوٹے موٹے ملک کی وہ خود پرورش کر سکے۔ کیونکہ دریائے سندھ کے پانی سے تمام سندھ سیراب ہوگا۔ اور آمدنی کے ذرائع میں معتدبہ اضافہ ہو جائیگا۔ خدا کا شکر ہے کہ کانگریس کے قوم پرور لیڈروں نے علیحدگی سندھ کیطرف اپنا میلان ظاہر کر دیا ہے۔ اور لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی اسکو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالات خواہ کچھ ہی ہوں۔ لیکن مسلمان صوبہ سندھ کی علیحدگی کے مسئلے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔

سندھ کی علیحدگی پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے۔ کہ وہ ایک چھوٹا سا صوبہ ہے۔ اور ایک علیحدہ حکومت مصارف برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اعتراض وارد کرتے وقت وہ آسام کی مثال بھول جاتے ہیں۔ جو رقبہ اور آبادی میں سندھ سے زیادہ اور آمدنی میں اس سے کم ہونے کے باوجود ایک مستقل حکومت کے مصارف برداشت کر رہا ہے۔ سندھ کا رقبہ ۴۷۰۶۶ مربع میل ہے۔ اور آسام کا ۵۲۹۵۹۔ سندھ کی آبادی ۳۲۷۹۳۷۷ ہے۔ اور آسام کی آبادی ۷۶۰۶۲۳۰۔ مگر اسکے باوجود سندھ کی آمدنی تقریباً ۴ کروڑ ہے۔ اور آسام کی آمدنی صرف ۲ کروڑ ۴۳ لاکھ ہے جب آسام اپنی حکومت آپ چلا رہا ہے۔ تو سندھ کیونکر نہیں چلا سکتا۔ اس تقابل سے مالیات کے متعلق ان معترضین کی عذر لنگ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن اس سے بڑھکر عجیب بات یہ ہے۔ کہ آج جو لوگ سندھ کی علیحدگی کے سب سے زیادہ مخالف ہیں۔ کل وہی اسکی موافقت میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ مسٹر ہرچند رائے وشن داس آنجہانی نے ۱۹۱۳ء میں کانگریس کے

اٹھائیسویں اجلاس منعقدہ کراچی کے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو ذمہ دارانہ خطبہ دیا تھا۔ اس میں اسی مسئلہ کے متعلق یہ خیالات ظاہر فرمائے تھے:۔

۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے سندھ کو فتح کر لیا۔ تو سر چارلس نیپر کی گورنری میں اس صوبہ کا الگ انتظام ہوتا رہا۔ ۱۸۴۷ء میں ان کے بعد سے بمبئی کے صوبہ سے ملحق کر دیا گیا۔ جو ابتک ہے۔ گو سندھ کے کمشنر کو صوبہ بمبئی کے دوسرے کمشنروں کے خلاف لوکل گورنمنٹ کے بہت سے اختیارات حاصل ہیں۔ صوبہ سندھ اسوقت بھی باعتبار جغرافیہ یا باعتبار اپنے باشندوں کے اس قسم کی تمام خصوصیات رکھتا ہے۔ جو اسکے ایک الگ صوبہ بننے کے لیئے کافی ہیں۔ صوبہ پنجاب کی سندھ پر للچائی ہوئی نظریں پڑ رہی ہیں۔ اور وہ اسے اپنے ساتھ شامل کرنے کا دعوے کر رہا ہے۔ دہلی دربار کے بعد سے اور پُرزور صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن سندھ نے ان تمام مطالبات کی مخالفت کی اور صوبہ بمبئی سے ملحق رہنا پسند کیا۔ تا وقتیکہ اس کے اچھے دن نہ آجائیں اور وہ الگ ایک صوبہ کے تمام اختیارات کو حاصل نہ کرے۔"

پھر ۱۹۱۷ء میں انہی مسٹر ہرچند رائے نے اسپیشل سندھ پراونشل کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے مسٹر مانٹیگو اور لارڈ چیمسفورڈ کو ایک عرضداشت بھیجی تھی۔ جس کے دسویں پیرا گراف میں انہوں نے سندھ کی علیحدگی کا اس طرح پُرزور مطالبہ کیا ہے:۔

"ہم یہ محضر پیش کرنیوالے آپکے سامنے اپنے خیال کو پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کا مفاد ساڑھے تین لاکھ باشندگان سندھ کے لئے جو ستر سال سے ایک ایسی مطلق العنان حکومت کے ماتحت ہیں۔ جو صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سوا اور کہیں نہیں ہے۔ کوئی حقیقت رکھتا ہے تو ضرورت ہے کہ اگر اس صوبہ کو ایک آزاد خود مختار صوبہ بنانا اور اسے ایک مستقل عدالت عالیہ دینا منظور نہیں ہے تو

کم از کم اسے حکومت بمبئی کے براہِ راست ماتحت کر دیا جائے۔ اور ان تمام قواعد ضوابط کو جن کی رو سے کمشنر سندھ کو اختیارات خصوصی حاصل ہیں۔ اس طرح ترمیم کر دیا جائے۔ یا انہیں اس طرح بدل دیا جائے۔ کہ کمشنر سندھ کا درجہ اس صوبہ میں وہی ہو۔ جو صوبہ بمبئی میں دوسرے کمشنروں کا ہے۔ اور جو اختیارات انہیں حاصل ہیں۔ وہ کمشنر سندھ کو بھی ہوں۔ نیز گورنر بمبئی سال کا کچھ حصہ کراچی میں بسر کیا کریں۔ گورنر کی مجلس منتظمہ کے ارکان سندھ میں دورہ کرنے کے لئے اب سے زیادہ وقت نکالیں۔ اور بمبئی کونسل کا کم از کم ایک اجلاس ہر سال کراچی میں ہوا کرے"۔

یہ الفاظ اپنی تشریح آپ کر رہے ہیں۔ اور ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے۔ کہ آج سندھ کی علیحدگی کے خلاف جو آواز بلند کی جا رہی ہے۔ اس کی تہ میں کونسا جذبہ کارفرما ہے۔ بہرحال میں اس امر کا صاف طور پر اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ اب سندھ کی ۳۲ لاکھ آبادی کے مفاد سے ہم کو ہرگز غفلت نہ کرنی چاہیئے اور باتفاق یہ مطالبہ کرنا چاہیئے۔ کہ اسے ایک علیحدہ صوبہ کے ماتحت ترقی کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

صوبہ سرحد میں اصلاحات

بزرگانِ ملت! حکومت ہند نے اب تک صوبہ سرحد و بلوچستان کو ان کے قدرتی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ پہلے تو ہندوؤں کی مخالفت کا بہانہ کر کے حکومت ان صوبوں میں بے آئینی کے کرشمے دکھاتی رہی۔ لیکن اب اس کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں ہے۔ جو اس کی استبدادیت میں کام آسکے۔ تمام ہندوستان کے برادرانِ وطن نے صوبہ سرحد کے اصلاحات کے نفاذ پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔ کہ سرحد کے مسلمانوں نے اپنے خون سے اپنے حقوق محفوظ کرائے ہیں۔ جن کو اب کوئی غصب نہیں کر سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ سرحد کے مسلمان اپنے قلم

سے اپنے مطالبات لکھ دیں۔ میں ان پر دستخط کر دونگا۔"

ابتک سرحدی مقامات میں بے آئینی اور جبر و تشدد کا دورہ رہا ہے۔ اور اس غیور و صبور قوم کو انتہائی بے دردی سے تباہ کیا گیا ہے۔ جو تمام ایشیا کیلئے باعث فخر و ناز ہے۔ لیکن اب وہ وقت گذر گیا ہے۔ اور جدید انقلاب نے اسکی جگہ لے لی ہے۔ اسلئے حکومت کو بھی اپنی تشددانہ پالیسی چھوڑ کر ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جس سے اس قوم کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ اور کوئی غماز نگرانہ پالیسی ان کے اصلاحی کاموں میں اثر انداز نہ ہو سکے۔

حکومت نے تیراہ کے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے ہیں۔ اور آزاد قبائل کو جس بری طرح کچلا ہے ہم اسکی اس سفاکی کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور قدرت کے فیصلہ کے منتظر ہیں۔ جو ظالم کو اسکے کیفر کردار تک پہنچائے بغیر کبھی نہیں چھوڑتی۔ اللّٰھم انصر عساکر الموحدین واخذل من خذلھم۔ آمین۔

داخلی اصلاحات

عمائدین قوم! ہندوستان کے مسلمانوں کی جو حالت ہے۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اصلاح و تجدید کا محتاج ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب تک نظام حکومت میں خاص تبدیلیاں نہ ہونگی۔ اسوقت تک مسلمانوں کا مذہب اور تمدن محفوظ نہیں ہو سکتا لیکن اگر اسوقت کا انتظار کیا جائے اور کوئی مکمل اصلاح کیلئے کوئی قدم نہ اٹھایا جائے۔ تو پھر مسلمانوں کی رہی سہی زندگی بھی ختم ہو جائیگی۔ اسلامیان ہند میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ ان سب کا محور "وحدۃ کلمہ" کا فقدان اور لامرکزی کی عالمگیر وبا ہے جو ہمارے ہر شعبۂ زندگی پر مسلط ہو گئی ہے اگر آج ہمارا ایک امام ہوتا اور ہم اس امیر کے فلسفہ سے آشنا ہوتے تو ہم آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکتے۔ اور ہماری زندگی قیدیوں اور گرد و پیشوں کی سی زندگی ہوتی۔ اس نظام شرعی و تمدنی کے فقدان سے ہمارے اندر تقدم و ترقی کا کوئی ولولہ ہے نہ حریت عمل اور استقلال حیات کا کوئی جذبہ ہے۔ اور

نا مدافعت وطن اور جہاد فی سبیل اللہ کا کوئی داعیہ موجود ہے۔ نصب امام مسلمانوں کا متفق مسئلہ ہے۔ جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ مگر جسقدر یہ اہم ہے اسی قدر مسلمان اس سے غافل ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستان میں شرعی امارت کا احیا رکیا جائے۔ اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کی جائے۔ مجھے اس تلخ حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اختلال اور انتشار کا سبب مختلف الخیال علمار کی گروہ بندی اور فرقہ پروری بھی ہے۔ ہر گروہ کا ایک جدا مطمح نظر اور ہر فرقہ کا ایک جدا قبلہ ہے۔ اگر علمار اپنے ذاتی مفاد اور شخصی منفعت کے خیال کو ترک کرکے وحدۃ کلمہ اور اتحاد بین المسلمین کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ تو اسکا انجام پاجانا کوئی مشکل اور ناممکن امر نہیں ہے۔ یہ کام صرف علما کے کرنے کا ہے۔ اور انہیں کی ذات پر اسکی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

آج ہمارے کتنے کام ایسے ہیں۔ جو مخصوص بالشریعت ہونے کے ساتھ انگریزی عدالتوں میں رومن لا کے ماتحت انجام پاتے ہیں۔ نکاح۔ طلاق۔ خلع توریث وغیرہ سب انگریزی قوانین کے رحم وکرم پر موقوف ہیں۔ حالانکہ انگریزی عدالتوں میں اسلامی احکام کو باطل کیا جاتا ہے۔ اور شرعی وفقہی مسائل پر رومن لا کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اس میں سر اسر ہمارا ہی قصور ہے۔ اگر ہم امارت شرعیہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قائم کر دیتے۔ تو یہ مصیبت کبھی کی ختم ہو جاتی۔ اور مسلمان اپنے مذہبی احکام کے اجرار ونفاذ میں بالکل آزاد ہوتے۔

خاتمۂ سخن

رہبران قوم! اسطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا۔ وہ اپنے جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض باتوں سے کسی کو اختلاف ہو مگر اصولاً ہمنے انہیں باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے متعلق کسی کو بھی مجال سخن نہیں ہو سکتا۔

یہاں پر میں اپنے رفیق کار مولوی حکیم فتح محمد صاحب سیوہانی صاحب سعادت و وسیادت سید شریف حسین صاحب مرچنٹ وحافظ نصیر احمد صاحب ومسٹر حسن علی ہونی صاحب

ومسٹر غلام حسین غفور بھائی صاحب و شیخ عبدالعزیز صاحب مولوی محمد عثمان صاحب فارقلیط دہلوی۔ مولوی قاضی احسان احمد صاحب امام و متولی شاہی جامع مسجد شجاع آباد کا خصوصاً اور دیگر رفقاء رضاکین کا عموماً شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں میری دستگیری فرماکر سارا انتظام حسن انجام کو پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر دے۔ اور ایسے نیک کاموں کے ساتھ دلچسپی رکھنے اور سرانجام کرنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میرا دل ان کریم النفس ایثار پیشہ حضرات اور کراچی کی اسلامی انجمنوں کے اراکین کو بھی دعائے خیر سے یاد کرتا ہے۔ جن بزرگان قوم و محسنان ملت نے اس اہم کام کے لئے مالی و اخلاقی مدد فرمائی ہے۔ اگر یہ حضرات دست کرم کشادہ نہ فرماتے۔ تو ہماری کامیابی موہوم رہجاتی۔ انکے ساتھ ساتھ میں کراچی کی مسلم پبلک کا بھی ممنون ہوں۔ جو اس کام میں دلچسپی کے ساتھ شریک ہوئے۔ میں اپنے ان بھائیوں کے حق میں بارگاہ ایزدی سے دعاخواہ ہوں۔ کہ الہ العالمین ہمارے بھائیوں کو صراط مستقیم پر چلاکر انکو اپنی جناب اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرخرو فرمائے۔ آمین ؛

نمقہ: محمد صادق الکھڈوی الکراصوی
صدر مجلس استقبالیہ اجلاس دہم
جمعیۃ علمائے ہند کراچی سندھ۔

بنارس، مرزاپور، آگرہ، کانپور کے فسادات

کسی سمجھدار انسان کو اس امر میں ذرا بھر شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات ملک کی باہمی رواداری اور امن و امان کی زندگی کے لئے بیحد خطرناک ہیں۔

شرارت پسند عنصر ہمیشہ بیوقوفوں اور نادانوں کو بھڑکا کر فساد کرا دیتا ہے۔ اور خود درمیان سے نکل جاتا ہے۔ بیگناہ اور امن پسند مخلوق ظالموں کے ظلم و طغیان کا شکار ہو جاتی ہے۔ معصوم بچے اور عورتیں نہایت بربریت اور بہیمیت کے ساتھ قتل کی جاتی ہیں۔ گھر جلائے جاتے ہیں۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کو مال و اسباب لوٹنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ دو ہمسایہ قوموں میں جنکو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا اور ہمسائیگی کی زندگی لامحالہ گذارنا ہے۔ سخت عداوت اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے سے متنفر اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے۔ اور ان سب انسانیت سوز حرکات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہیں۔

بدنصیب ہندوستانیوں کو خدا جانے کب سمجھ آئیگی۔ اور وہ ان امور پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے قابل ہوں گے۔ ابتداء خواہ ہندوؤں کیطرف سے ہو۔ خواہ مسلمانوں کیطرف سے۔ اور زیادتی کسی فریق کی ہو۔ فساد کے نتائج دونوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ اور جانی اور مالی نقصانات دونوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فساد کے موقعہ پر جو لوگ عقل سے عاری ہو کر ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔ انہیں کو دیکھا ہے۔ کہ غصہ فرو ہونے اور فساد ختم ہو جانے کے بعد سر پکڑ کر رو دیتے ہیں۔ لیکن اسوقت کا رونا اور شرمندہ ہونا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ کہ بڑا پہلوان وہ ہے۔ جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھ سکے۔

میرا خیال ہے کہ اگر دونوں قوموں کے زعماء اور رہنما اپنی اپنی قوم کو سختی کے ساتھ روکیں۔ اور ان خلاف انسانیت افعال پر اظہار نفرت کرتے رہیں۔ اور ہر قوم کے سمجھدار افراد بیوقوفی اور شرارت پسند لوگوں کی ہمت افزائی نہ کریں۔ تو امن و امان کی فضا بہت جلد پیدا ہو سکتی ہے۔ میں بالخصوص اپنے مسلمان بھائیوں سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ بنارس مرزاپور آگرہ کانپور میں جتنے مسلمان مرد عورتیں بچے بوڑھے شہید ہوئے۔ اور جسقدر زخمی ہوئے ان میں سے کتنے ایسے ہوں گے کہ جنکے دل میں لڑنے بھڑنے کا وہم بھی آیا ہو گا۔ اور جو بالکل بیگناہی و بے خبری کے عالم میں موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ یا زخمی کر دئے گئے۔ لڑنے بھڑنے والے افراد نہ ان کی جان بچا سکے۔ نہ انکو زخمی ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔ اسیطرح دوسری قوم کے متعلق بھی سوچو۔ کہ ان کے مقتولین اور مجروحین میں سے کتنے بیگناہی اور بیخبری کے عالم میں مارے گئے یا زخمی کئے گئے ہونگے۔ اگرچہ ناحق باہمی کشت و خون ہر حال میں برا اور قابل نفرت ہے تاہم اگر اسکی کوئی صورت ایسی ہو سکتی ہے۔ کہ صرف شریر و لڑاکے مفسدوں کو ہی نقصان پہنچتا تو کسی حد تک صبر کیا جا سکتا تھا لیکن جبکہ اسکا لازمی نتیجہ بیگناہوں اور معصوم بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کی تباہی اور ہلاکت کی صورت میں نکلتا ہے تو کوئی سمجھدار انسان ایک لمحہ کے فساد اور بدامنی کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔

کیا آج ہندوستان کے وسیع بر اعظم میں ایک غیر مسلم بھی ایسا مل سکتا ہے جو یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہو۔ کہ مذکورہ بالا چاروں مقامات میں جتنے مسلمان مارے گئے یا زخمی ہوئے وہ سب کے سب خطاوار اور مارے جانے یا زخمی کئے جانے کے مستحق تھے۔ اور اسیطرح کیا ایک مسلمان بھی ایسا مل سکتا ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ جتنے ہندو مارے گئے۔ یا زخمی کئے گئے وہ سب اسکے مستحق اور خطاوار تھے۔

جب یہ حقیقت ہے اور اسکا انکار ناممکن ہے۔ تو پھر کیا ہمارا سب کا پہلا اور مقدم فرض یہ نہیں ہونا چاہئیے کہ دونوں ملکر فسادات کے امکانات کو معدوم کریں۔ اور اپنے اپنے معصوموں اور بیگناہوں کی جانیں بچائیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو کمر ہمت باندھ لو اور آج سے تہیہ کر لو کہ ہم سے ہر شخص فساد کو روکنے کیلئے اپنی جان لڑا دیگا لیکن کبھی بھی ویزش اور کشت و خون کی نوبت نہ آنے دیگا۔

گذشتہ اجلاسوں کے

خطبہ صدارت

خطبہ صدارت سنہ ۲۲ء حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب عثمانی نائب مہتمم دار العلوم دیوبند ۸؍

خطبہ صدارت سنہ ۲۳ء حضرت شیخ الحدیث مولانا الحاج السید حسین احمد صاحب مدنی ۸؍

خطبہ صدارت سنہ ۲۵ء حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار عہ

خطبہ صدارت سنہ ۲۶ء علامہ سید محمد سلیمان صاحب ندوی ۸؍

خطبہ صدارت سنہ ۲۷ء حضرت شیخ الحدیث علامہ مولانا محمد سید انور شاہ صاحب عہ

ملنے کا پتہ

دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی

اخبار الجمعیۃ
کا اولین مقصد امت مرحومہ میں صحیح معنوں میں سیاسی اور
مذہبی بیداری پیدا کرنا۔ ہندوستان کی مختلف قوموں میں
باہمی اتحاد و اتفاق کا احساس پیدا کرنا۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی
حفاظت اور مضر اثرات کی مدافعت کرنا۔ اقوام مسلمہ میں اخوت اسلامیہ
کو مستحکم کرنا۔ قومی تنظیم اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کرنا ہے۔ اخبار الجمعیۃ جمعیۃ علماء ہند
کا آرگن اور حریت و صداقت اور حقانیت کا آزاد داعی ہے جو دارالخلافت
دہلی سے نہایت آب و تاب اور شان و شوکت سے شائع ہوتا
ہے۔
نمونہ مفت
پتہ
منیجر
اخبار الجمعیۃ
دہلی